

## علم و ادب کا سنگم۔ مولانا سید محمد باقر شمس

جناب وحشی محمود آبادی امریکا

مودب لکھنوی وغیرہ۔ نتیجہ میں شمس صاحب کا ذوق ادب لکھنویت میں پوری طرح ڈھل کر رہ گیا اور ہونا بھی چاہیے، کیونکہ ان کا خمیر وہیں کی مٹی سے تیار ہوا تھا۔ لکھنوی ادب میں کیا خامیاں تھیں اور کیا خوبیاں، یہ ایک علاحدہ موضوع ہے، لیکن یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ لکھنؤ کے ادیبوں نے زبان و بیان کو آب گوشتی سے غسل دے کر پاک و طاہر بنا دیا۔

”شعور و شاعری“ شمس صاحب کے ادبی و تنقیدی زاویہ نگاہ کا عکاس ہے۔ بعض دوسری تصانیف بھی ہیں، جو ترجمانی کرتی ہیں شمس صاحب کے مخصوص اندازِ نظر کی۔ کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو نہ ہو، لیکن اس جذبہ خلوص کو سراہنا ہی پڑے گا کہ نگار خانہ اردو ادب میں زبان و بیان کے بتوں کو اہل لکھنؤ نے جس طرح تراشا و خراشا تھا اور نوک پلک درست کر کے انہیں جس انداز سے سجایا تھا، اس میں کوئی دراندازی شمس صاحب برداشت نہ کرتے اور ایسے کسی عمل کو مستوجبِ تخریر قرار دیتے اور یہ اہل ان کی تحریروں میں نمایاں ہو جاتا، جس سے ان کا اقتصادی سرمایہ محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

مشاہیر لکھنؤ کے کلام کی تدوین بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، ”دیوان جاوید“ جس کی ایک نظیر ہے۔ یہ کتاب شمس صاحب کے شعری ذوق اور خوش سلیقگی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ سرمایہ ایک مخصوص علاقہ سے تعلق رکھتا ہے اور شمس صاحب کو وطنیت کی قید و بند میں جکڑ دیتا ہے، لیکن دنیا یہ کیوں بھلا دیتی ہے کہ اس سرزمین کے اردو ادب پر کس قدر احسانات ہیں۔ اودھ کی مسلم حکومت اگر وجود میں نہ آتی یا شاہان اودھ اردو کی

مولانا محمد باقر شمس کی شخصیت کے دو پہلو ہیں اور علم و فن چہار پہل شخصیت کے بارے میں بلا کسی تامل کے کہا جاسکتا ہے کہ اہل سیف کی اولاد ہیں۔ دراز قد، لائے ہاتھ پاؤں، چہرہ برا جسم، ناک نقشہ میں عرب و عجم کی آمیزش بلکہ کسی حد تک یونانیت جھلکتی ہوئی۔ یہ تو ایک دیکھنے والے کا تاثر ہے، ورنہ حقیقت تو شجرہ نسب سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ ادیب ہیں تو میں یہی سمجھتا کہ نواب سعادت خاں برہان الملک کے ساتھ فیض آباد آئے ہوں گے، جہاں سے لکھنؤ منتقل ہو گئے، لیکن ماضی کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ سیف و قلم کا ہمیشہ ایک رشتہ رہا۔ اسلاف دونوں کے حامل تھے۔ امتدادِ زمانہ سے تلوار کند ہو کر ٹوٹ گئی اور صرف قلم ہی رہ گیا، مگر اس قلم کی لاج شمس صاحب کے اسلاف نے اس طرح رکھی کہ دامن اسلام کے قطب بن گئے۔

حدیث و فقہ شمس صاحب کی میراث تھی، لسانیات میں عربی فارسی اور ڈھنا بچھونا اور اردو مادری زبان۔ وقت کی ضرورت کے لحاظ سے تھوڑی انگریزی پڑھ لی اور سب کا جو آمیزہ تیار ہوا، وہ مولانا باقر شمس لکھنوی بن گیا۔

شمس صاحب عربی درس گاہ کے متعلم تھے، لیکن مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا اور ادب کا مشن، جو لکھنؤ کے شرفاء کا طرہ امتیاز رہا، غزل کہنا، ناولیں یا افسانے پڑھنا بزرگوں کی طرف سے ممنوع تھا، لیکن میرا اندازہ ہے کہ شمس صاحب نے یہ سب کچھ چوری چھپے کیا اور شعور کی منزل پر پہنچے تو ان میں شعر کی پرکھ اور ادب کی جانچ پڑتال کا پورا سلیقہ پیدا ہو چکا تھا۔ ایسے میں زمانہ کے فنکاروں کی صحبت نصیب ہوئی۔ صفی، عزیز، محشر، فاخر،

سرپرستی نہ کرتے، تو دلی کے بعد اردو کدھر جاتی؟ جواب یہ ہے کہ خدا کوئی راستہ اور پیدا کر دیتا، یعنی خدا ہی نے یہ راستہ پیدا کیا تھا اور شمس صاحب اسی راستہ کے راہی ہیں اور شاید یہی جذبہ ہے جس نے شمس صاحب سے تاریخ لکھوائی۔ بالفاظِ دیگر اردو کے سودائی نے اردو کے سرپرستوں کا حق بھی ادا کر دیا۔

اس کتاب کو دیکھا جائے تو شمس صاحب کی مورخانہ باریک بینی کی داد دینا پڑتی ہے۔ انگریزی (حکومت) نے اپنے اثر سے شاہانِ اودھ کے کرداروں کو جس طرح لتھاڑا تھا، شمس صاحب نے اپنے قلم سے اس کی طہارت کی ہے اور ہر کردار کے اصلی خال و خد کو اس طرح نکھارا ہے کہ آدمی و رطل حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ کتنے ضمیر فروش تھے وہ قلم کار، جنہوں نے رحمان پر شیطان کی سیرت کا ملمع چڑھا دیا۔

لکھنؤ ہی کے تسلسل کی دوسری کتاب ہے ”لکھنؤ کی تہذیب“ یہ کتاب تمدنی معلومات کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ”لوگ پہلے آپ، پہلے آپ!“ کہہ کر لکھنؤی تہذیب کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں گاڑی چھوٹ گئی اور دونوں میں سے کوئی سوار نہ ہوسکا، لیکن دیکھا یہ بھی گیا ہے کہ ”پہلے میں، پہلے میں!“ کہے بغیر ریل کی کھڑکی سے ایک دوسرے کو باہر کی طرف کھینچا جاتا رہا اور اس دھینگا مشقی میں گاڑی چھوٹ گئی۔ گاڑی دونوں کی چھوٹی۔ ایک کی تہذیب میں اور دوسرے کی بد تہذیبی میں۔

”لکھنؤ کی تہذیب“ میں ایثار، پاس وضع، رواداری اور دوسری اخلاقی اقدار کے نمونے شمس صاحب نے پیش کئے ہیں۔ چونکہ خود خاندانِ اجتہاد کے آدمی ہیں، لہذا کھانوں اور دوسری چیزوں میں لکھنؤ والوں نے جو اجتہادات کئے ہیں، ان کو بیان کیا ہے، جو شمس صاحب کے گہرے مشاہدہ اور عمیق نکتہ رسی کی بات ہے۔

دوسری تصانیف کی خصوصیات بھی ایسی ہی کچھ ہیں، البتہ ایک کتاب ان کے سجادہ وراثت سے تعلق رکھتی ہے، ”اسلام پر کیا گزری“ شمس صاحب کی یہ تصنیف یقیناً واقع ہے، مگر وہ ادبی حیثیت سے ہٹ کر عالمانہ بصیرت پر روشنی ڈالتی ہے۔

اس طرح مولانا باقر محمد شمس صاحب کی حیثیت کا تعین کیا جائے تو ایک عالم، ایک مورخ، ایک ادیب اور ایک نقاد کے امتزاج سے جو پیکر تیار ہوتا ہے، وہ شمس لکھنؤی کہلاتا ہے اور اس میں چھپے ہوئے انسان کا جائزہ لیا جائے تو لکھنؤی ذکاوت، خاندانی شرافت، نسلی نجابت و فطانت اور شخصی متانت سے جو انسان تشکیل پاتا ہے، اس کا نام محمد باقر شمس ہے اور ہم اسی کو جانتے ہیں۔

شمس صاحب کی صلاحیتیں یقیناً فریادی ہوں گی کہ وقت نے انہیں پہچانا نہیں اور زمانہ میں ان کی قدر نہیں ہوئی، لیکن اہل علم و فن کا یہ شکوہ نیا نہ ہوگا۔ کوئی مانے یا نہ مانے، مگر ان کے نقوش قلم اتنے روشن ہیں کہ وقت کی تدریجی ترقی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی نظر آئیں گے، جو آج اپنی آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

### قطعہ

مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحرِ اجتہادی

وسعت کارِ نبی کی حد میں شامل کر بلا  
دین کی سینہ سپر، باطل کی قاتل کر بلا  
کشتیِ اسلام کے مالک نبیؐ لنگرِ حسینؑ  
ایک ساحل ہے مدینہ ایک ساحل کر بلا

### رباعی

گھبرائیں گے دنیا میں جو رہتے رہتے  
اٹھ جائیں گے یا حسینؑ کہتے کہتے  
ڈوبیں گے جو بحرِ غمِ شبیرؑ میں ہم  
کوثر پہ پہنچ جائیں گے بہتے بہتے

